گرامی نامے

● ۳۰رمئی کوموسم انگڑائی لے رہا تھا ایسے میں 'ایوانِ اردو' کا جون کا شمارہ ہاتھ لگا۔ سرورق دیکھتے ہی آنکھیں تو سیراب ہوگئیں۔ ہلکی پھلکی رم جھم پھواروں کی راحتیں سمیٹتے ہوئے مشمولات پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس بار شعری انتخاب بھی اچھا ہے۔ بطورِ خاص ڈاکٹر ترنم ریاض کی دونوں نظمیں اس شمارے کی جان ہیں۔ ڈاکٹر ترنم ریاض نے فکشن میں تو اپنا لوہا منوالیا ہے، لیکن بحیثیت شاعرہ بھی انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ 'دل ہمارا بھی عجب ہے' اور 'زیتون' دونوں ہی لاجواب نظمیں ہیں۔ ڈاکٹر آفاق فخری، مناظر حسن شاہین، غیاث انور شہودی، سہیل اختر اور احمد نثار کی غزلیں بھی اچھی لگیں۔

''نئے پرانے چراغ'' اور دیگر سرگرمیوں کی رپورٹ پڑھی۔ یہ دیکھ کر اچھا لگا کہ پروفیسر شہپر رسول نے اپنی پبلسٹی پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ بہت خوب۔

عبدالرحیم نشتر، جعفر نگر، ناگپور، موبائل: 7276071889

● 'ایوانِ اردو' متواتر مل رہا ہے۔ 'ایوانِ اردو' ایک معیاری رسالہ ہے جس کے تمام مشمولات قابل مطالعہ اور پُر مغز ہوتے ہیں، خاص طور سے مضامین اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پروفیسر شہپر رسول کی نگرانی اور ادارتی اراکین کی محنت سے 'ایوانِ اردو' خوب سے خوب تر کی جانب گامزن ہوگا۔

ہارون شامی، گومتی نگر، لکھنؤ، موبائل: 9415109335

● جون ماہ کے شمارے کا سرورق یومِ ماحولیات کے بموجب خوبصورت قوسِ قزح کے رنگوں کے اثر سے لبریز نہایت جاذب نظر و دلکش نظر آیا۔ اس شمارے میں دیپک بدکی کے افسانے 'جڑوں کی تلاش' میں فی زمانہ مادی حالات کے ساتھ مفاہمت کرتے رہنے کا عوام کو جو قابلِ تقلید سبق دیا گیا ہے، اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ مستزاد، اس افسانے میں کشمیر کی وادی کی ازحد قابلِ داد و دید منظر کشی دوم جمع نقطہ (پلس پوائنٹ) تسلیم کیا جائے گا۔ ص:۳۷ پر اردو ادب میں غلط، لیکن مروجہ ہوچکے لفظ 'تعینات' کا تصرف ایک تشریح کا متقاضی ضرور ہے۔ قومی کونسل نئی دہلی سے شائع اردو زبان کی جناب بدرالحسن کی مؤقر کتاب میں درج کیا گیا ہے کہ 'تعینات' غلط لفظ ہے، صحیح لفظ 'مُتعیّن' ہے، یعنی مقرر۔'' (چوتھی طباعت سنہ ۲۰۱۰ء، ص:۱۴۲)

محمد قمر سلیم کا افسانہ 'جڑواں' اس عوامی یقین کی پوری پیروی کرتا ہے کہ انسان کو اپنے بداعمال کی جزا یا سزا اسی دنیا میں زندہ رہتے ہوئے ہی مل جایا کرتی ہے۔ افسانے کا بیانیہ لہجہ اگرچہ اس پر ایک فلم بنائے جانے کے اوصاف سے مملو ہے، تاہم اسی ہیئت کے بموجب اس کا فنی گراف نیچے چلا جاتا ہے، مزید اس کے اختتام کا بھی اندازہ اس سے پیشتر ہی ہو جاتا ہے۔

چراغ ہبلوی کا افسانہ 'تیاگ' بقول مرزا داغؔ ہندوستان میں دھوم مچانے والی اردو زبان کا تحفظ، تبلیغ و فروغ کرنے وغیرہ کے اس دور کے صحیح تقاضے کو، اگرچہ تمام تر 'تلخ نوائی' کے باوصف، افسانوی جامے میں ہی پورا کرتا ہے، تاہم اس کا عنوان 'تیاگ'، ہندی زبان میں ہونے کے موجب کھٹکتا ضرور ہے۔ کیا 'قربانی' وغیرہ مترادف لفظ کو 'تیاگ' کی جگہ نہیں رکھا جاسکتا تھا؟ یہ افسانہ مختصر ہونے کے باوصف مقصدیت کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔

نورین علی حق کا افسانہ 'حسرتوں کے چراغ' فنتاسی کے اسلوب میں ہے اور اس میں ایک آسمانی ستارے کی پیکر سازی قابلِ مدح ہے۔ اس کے اختتام کو پڑھ کر پنجاب کے بھولے بسرے شاعر پریم وار برٹنی کے اس برمحل شعر کو کاملاً صادق ہوتے دیکھا جاسکتا ہے:

دینار ملے ہوں گے کسی پچھلی صدی کو
ہم کو تو فقط ناگ خزانوں سے ملے ہیں

ص:۵۰ پر شائع لفظ 'لفاظیاں' کے استعمال سے کہیں بہتر تصرف 'لفظیات' ہوسکتا تھا۔ اسی طرح ص:۵۳ پر 'کا موج' میں 'کا' لکھنا اس لیے غلط ہے، کیونکہ 'موج' عربی زبان کا مؤنث لفظ ہے، نہ کہ مذکر۔ لہٰذا 'کی موج' الفاظ درکار تھے۔ معدودے چند استثنا کے یہ شمارہ بھی حسبِ سابق کلی طور پر پہلے سے قائم شدہ معیار پر پورا اور کھرا اترتا ہے۔

کرشن بھاؤک، پٹیالہ (پنجاب) موبائل: 9815165210

● ماہ مئی کا 'ایوانِ اردو' ملا۔ زیر نظر شمارے کے اداریے 'اپنی بات' میں آپ نے صنفِ غزل پر تکیہ رکھتے ہوئے سنگار غزل کی اہمیت و آفاقیت کر اُجاگر کیا ہے۔ غزل چاہے داخلی معاملات کی ہو یا خارجی واقعات پر مبنی۔ اردو غزل نے ہر رنگ و ترنگ اور ہر صورت میں اپنی قوس قزح کے جلوے بکھیرے ہیں۔ گردشِ ایام کی دھوپ چھاؤں والی چادر اوڑھے غزل تہ در تہ کھلتی اور کھلتی ہوئی آج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے وہ چاہے رومانی ہو کہ وجدانی' چاہے عاشقانہ ہو یا رندانہ، چاہے عصری حسیت لیے ہوئے ہو یا فراز جدت یا مابعد جدیدیت

کا ملگجا روپ دھارے ہوئے۔ القصہ غزل نے تجربہ گاہ میں کئی نوعیت کے تجربے بھی کیے۔ کبھی مستزاد کے رنگ میں ڈھل کر سامنے آئی تو کبھی درخوانی کے پرپُرزے لیے ہوئے اساتذہ کے دفاتر تخلیقات سے نمودار ہوئی۔ تو کبھی آزاد اور نثری غزل کی صورت میں اپنا تعارف پیش کرنے پر آمادہ ہوئی اور آج تک اس کی پُرتنوع ایجادات اور اختراعات کا سلسلہ جاری اور ساری ہے۔

صنفِ غزل جو کہ خود ساختہ طور پر اپنا وجود لے کر نہیں آئی باوثوق تحقیق اور توجیہات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ولادت دوہے کی کوکھ سے ہوئی دوہے جو کہ دو مصرعی صنف کی صورت رکھتے ہیں۔ غزل نے بھی اُسی سے اپنی صورت گری اختیار کی، لیکن مملکتِ فکر وفن میں ملکۂ جاوداں بن کر اپنی علیٰحدہ شناخت قائم کیے ہوئے ہے:

صنفِ غزل کو موت کہاں آئے گی صبا
یہ وہ غزال ہے جو بھرے چوکڑی سدا

مضامین کے حصّے میں ''مجنوں گورکھپوری۔ فکشن کا عظیم نقاد'' میں ڈاکٹر عبیداللہ نے لکھا ہے کہ مجنوں نے تنقید سے پہلے اپنے ادبی سفر کی ابتدا افسانوں سے کی تھی موصوف کے دو افسانوی مجموعے بھی منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مجنوں کے افسانے پریم چند کے افسانوں کی طرح گاؤں کے ماحول اور اس ماحول کے اطراف جنم لینے والے واقعات کے آس پاس چکر لگاتے ہیں۔ عبیداللہ نے یہ بھی صحیح لکھا ہے کہ مجنوں نے عورت اور اس کی محبت کے جذبے کو فطری طور پر اُجاگر کیا ہے۔ برسوں پہلے فضل امام نے مجنوں کے اندازِ نگارش پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی۔ آج کی نسل مجنوں کو قریب قریب بھول چکی ہے، لیکن عبیداللہ کا مختصر ترین مضمون پڑھنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں راقم کے حضرت موصوف کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی خوشبو ذہن وفکر کی وادی میں پھر سے پھیل گئی۔

علیم صبا نویدی، چنئی، موبائل: 9840361399

● 'ایوانِ اردو' ماہ مئی کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ جب یہ رسالہ ہاتھوں میں آتا ہے تو اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ یہ گرفت ہی دراصل اس کے ذاتی اور توانا ہونے کا ثبوت ہے۔ گیسوئے ادب کے قاری کو جس کا انتظار ہوتا ہے، جہاں ترتیب وانتخاب کی بات کی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اردو اکادمی کے نئے پرانے اور موجود باشعور کارکنوں کی ایک بیش بہا ٹیم کی کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ خوبصورت خالص علمی وفکری اور ادبی رسالہ کی شکل میں منظر عام پر آتا ہے۔ ادبی موضوعات رسالے کی ریڑھ ہیں یا یوں کہیں کہ ادبی، تہذیبی، فکری روشنی کا ترجمان ہے تو سچ کو آنچ نہیں۔ حالیہ اجتماع 'نئے پرانے چراغ' کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ وہاں علمیت کے چراغ جلائے گئے ہیں۔ نئے پرانے تخلیق کاروں کا ملن بھی جہاں آکر ادب نواز دوست مستعدی سے ادب کی تبلیغ میں مصروف ہوتے ہیں۔ سچ ہی کہا ہے:

جو اپنی ذات سے اوروں کو پانی دے
وہ قیمتی ہے شجر اس کی جڑ میں پانی دے

فکر وفن کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ادبی دوستوں پر عائد ہوتی ہے۔

مضامین کی فہرست میں فاضل پروفیسر انور پاشا کا مضمون 'اندھیرا یگ: ایک تجزیاتی مطالعہ' مجھ جیسے ناتواں کے لیے بھی کافی مواد فراہم کرتا ہے۔ وہ تمام باتیں جو 'ناول' کے حوالے سے کہی یا لکھی جاتی ہیں، انھیں موصوف نے صفحۂ قرطاس پر لاکر سجا دیا ہے، جو قابل مطالعہ ہے اور قابل ستائش بھی۔

دوسری جانب معروف ومعتبر شخصیت کے حامل افسانہ نگار نور شاہ کا 'کال بیل' پڑھا۔ افسانہ گرچہ مختصر ہے مگر پرمغز ہے۔ نئی تکنیک، نئے اسلوب میں نفسیاتی ورومانی خوبصورت بیانیہ ہے۔

طنز ومزاح کی ادبی تختی پر منظور وقار (گلبرگہ) کی تحریر 'بڑے لوگ چھوٹے لوگ' خوب تر ہے۔ موصوف یوں بیان کرتے ہیں: شعرا کی ہر فرمائش بیوی کی فرمائش سمجھ کر پوری کرتے ہیں۔ ایسی تحریر لکھنے والوں کے پاس سقراط کا کلیجہ ہے۔ عنوان میں راست گوئی کا مکمل پیغام ہے۔ جہاں دورِ فتن میں ہر محاذ پر پتھر ہی پتھر ہے، چھوٹے سے بڑا بننا اور بڑے سے چھوٹا بننا یہ آج غلیظ سیاسی ماحول کی مکروہ کہانی ہے۔ کہیں ملک میں غلیظ سیاست کو عمدہ سیاست جان کر سیاسی تابوتوں کو اپنے کاندھوں کا سہارا دے کر اقتدار کی جھوٹی چمک کو مقتی جانتے ہیں تو کہیں عقائد اور مسلک پر ہی ہمارے علما تراویح پڑھنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم خود اپنی شناخت زمانے میں کھوتے چلے گئے اور صبح وشام بیمار ذہنوں میں سیاست کرنے والے سیاست کی چمکتی محرابوں میں آکر طرح طرح کی بولیاں بولنے لگتے ہیں۔ خود نمائی، خود ستائی 'ہم ہی ہم' کا جذبہ کارفرما ہو، وہاں کون امام؟ کون مقتدی کے مصداق ہے۔ کیا ان راہوں سے قوم اور ملک کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ بس یہی کہوں گا کہ منظور وقار نے بڑی بے باکی اور حق گوئی سے 'طنز ومزاح' سے حرف نیم کش کی تختی پر لاکر سجا دیا۔ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔

ایم رحمٰن، دہلی، موبائل: 9899934038

◆◆◆